نظم قرآن

(۴)

تالیف : حمید الدین فراهی
ترجمہ : شرف الدین اصلاحی

۱۱ - نظم حکمت کی طرف رہبری کرتا ہے

(۱) کلام کے اجزاء باہم مربوط ہوتے ہیں، اور یہ ربط ایک ایسے جامع کے ذریعے قائم ہوتا ہے جو مختلف مطالب پر مشتمل ہو، اور یہ جامع مقابلۃً زیادہ بلند اور زیادہ وسیع ہوتا ہے، جیسے کہ ''انسان،، ان تمام افراد پر مشتمل ہے جو اس کے تحت آتے ہیں، اور اسی طرح درجہ بدرجہ زیادہ خاص سے زیادہ عام کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ لہذا نظم کے متلاشی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی نظر کو عام سطح سے بلند رکھے، بادی النظر میں جو کچھ دکھائی دے اس کے اوپر دیکھنے کی کوشش کرے، یہاں تک کہ اسے ایک ایسا جامع مل جائے جو سب کو محیط ہو۔ اور یہی تلاش حکمت کی سیڑھی ہے۔ اور یہ اسی شخص کے ہاتھ آتی ہے جس میں بصیرت اور ذکاوت ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالے اپنے کلام کے نظم کو یوں تدبر و تفکر کا محل نہ بناتا۔ رہا اس کا تدبر و تفکر کا محل ہونا تو اس کی تفصیل اپنی جگہ پر ملے گی۔ یہاں صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی رعایت اس لئے رکھی ہے تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ حکمت سکھائے اور تربیت کرکے ان کو اس ملکہ کے لئے تیار کرے جو کہ علم اور معرفت

کی اصل ہے، نہ کہ نفس معلومات، کیونکہ اس کا دائرہ تو بہت تنگ اور محدود ہے۔ پھر ان معلومات کے علم کا اس ملکہ سے کوئی تعلق نہیں جو اصل مقصود ہے۔ قرآن مجید کا عالی مرتبت ہونا، اس وجہ سے کہ وہ حکمت پر مشتمل ہے، اس کی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمادیا (وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم۔ اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بلند مرتبت حکمت سے بھرا ہوا ہے۔) سورۂ زخرف آیت ۴

(۲) جو شخص قرآن مجید کے نظم میں غور و فکر کرتا رہے اسے رفتہ رفتہ دوسری باتوں میں بھی اسی کی عادت ہوجاتی ہے۔ ان میں سے کچھ باتیں زیادہ اہم ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں:

الف: ہر دین اور شریعت کا ایک نظام اور کچھ اصول ہوتے ہیں جو فطرت، عدل، اور برکت کی رو سے اس کے درجہ کی نشاندھی کرتے ہیں۔ لہذا جو شخص اس پہلو سے دینی احکام اور قوانین پر غور کرے گا اسے شرعی احکام کی حکمت کی صحیح وجہ اور اس میں خطا اور صواب سے آگاہی حاصل ہوگی۔

ب: ہر قوم اور ہر ملت کے کچھ مخصوص آداب و اصول ہوتے ہیں جن پر اس قوم کے لوگ چلتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں اور ان کے اصول و آداب میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور اسی مناسبت کی مدد سے ہم آہنگ باتوں میں سے ایک کو دیکھ کر اس جیسی دوسری باتوں کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔

ج: اور اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن مجید میں نظم کا انکار کیا انھوں نے اسی پر قناعت نہیں کی۔ اس لئے کہ اس انکار کی بنیاد حق و باطل کے درمیان تمیز نہ کر سکنے پر تھی۔ چنانچہ یہی لوگ

ہیں جنہوں نے دوسرے معاملات میں بھی اسی قسم کی بات کہی۔ اس طرح انہوں نے حکمت کو غارت کیا، اور عقل کو خیرباد کہا اور عدل کا انکار کیا، ان سب کا منبع ایک ہے، اور وہ ہے ان کی عادت جو ظاہر پرستی کی وجہ سے ان پر غالب آگئی، اور ان کا یہ خوف کہ عقل انہیں دھوکا دے جائے گی۔ پس انہوں نے اپنی آنکھیں بند کرکے اس روشنی سے بچنے کی کوشش کی جس کے بارے میں انہیں اندیشہ تھا کہ اس سے ان کی نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی۔

اللہ تعالی نے اس فطری کامل دین میں رہبانیت اور تعطل کے لئے۔کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ لہذا یہ کوئی قابل ستائش بات نہیں ہو سکتی کہ ہم عقل کو بیکار چھوڑ دیں، جب کہ وہ اللہ تعالی کی بخشی ہوئی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے، جس طرح کہ یہ بات لائق تحسین نہیں ہوسکتی کہ ہم کان اور آنکھ سے کام نہ لیں۔ بے شک اللہ تعالی نے انسان کو جتنی بھی قوتیں عطا کی ہیں ان میں سے ہر قوت کا ایک مقصد اور دائرہ کار ہے جس سے ہٹ کر اس کا استعمال جائز نہیں۔ اس بحث کا یہ محل نہیں۔ مقصود محض مثال دینا تھا، کیونکہ چیز اپنے مثل سے مشابہت رکھتی ہے۔

۱۲ - نظم قرآن میں نظم دین کی دلیل

قرآن ہی اصل ہے، اسلام اور ایمان یعنی احکام شرعی اور عقائد کی۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : (وکذالك اوحينا اليك روحا من امرنا ماكنت تدری ما الكتاب و لا الايمان و لكن جعلناه نورا نهدی به من نشآء من عبادنا وانك لتهدی الی صراط مستقیم۔ اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف وحی کی اپنے حکم کی روح۔ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے۔ اور نہ ایمان۔ لیکن

ہم نے اسے نور بنایا۔ ہم اس کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔ اور بے شک تم سیدھے راستے کی طرف لے جاتے ہو۔) سورۂ شوری آیت ۵۲۔ اور چونکہ قرآن مجید دین سے پوری مطابقت رکھتا ہے اس کے نظم میں غور شرائع اور عقائد میں غور کا محرک بنتا ہے۔ جو چیز اصل و اساس تھی قرآن نے اس کی وہ حیثیت بتادی۔ جب تم قرآن میں تدبر کروگے دین کی حکمت اور امور دین کے نظام کو سمجھوگے۔

مثلاً: نظم قرآن کی دلالت ہی سے معلوم ہوا کہ شکر (۱) ایمان کی اصل ہے اور شریعت کے جملہ احکام و اعمال اس کے تحت داخل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص رحمت اور حکمت اور قدرت کی نشانیاں دیکھے گا اسے پروردگار عالم کے رحیم، حکیم، قادر، قوی اور عادل ہونے کی معرفت حاصل ہوگی۔ پس وہ اس کا شکر ادا کرے گا، اس کی حمد میں رطب اللسان ہوگا اور اس کی رضا کا طالب ہوگا، اور اس کی ناراضی اور اس کے عذاب سے ڈرے گا۔ اس وقت اس کا ایمان ثابت اور اس کی عبادت یقینی ہوگی۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: (ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم و کان اللہ شاکرا علیما۔ اللہ تعالی تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار رہو اور ایمان لاؤ اور اللہ قدر شناس اور جاننے والا ہے۔) سورۂ نساء آیت ۱۴۷۔ اس طرح بتادیا کہ شکر کا احساس، ایمان باللہ پر مقدم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورۂ الحمد کو اپنی کتاب کا دیباچہ بنایا۔ اور اس طرح حمد کو نماز کی اصل اور شرائع اور اسلام کا حرف آغاز قرار دیا۔

پھر چونکہ شکر کے مواقع ہوتے ہیں اور ایسی صورتیں بھی جن سے شکر ظاہر ہو، اور اس کے دو رکن ہیں: تحدیث نعمت اور احسان کرنے

والے کی شکر گزاری، اور مؤخر الذکر یہ ہے کہ جو کچھ رزق ملا ہے اس میں سے دوسروں کی نذر کیا جائے اور قربانی دی جائے، اس لئے خلق کے ساتھ احسان اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا نماز کا دوسرا رخ ہوا، یہی وجہ ہے کہ ترک صلوۃ کی طرح منع زکوۃ بھی کفر سے قریب تر قرار پایا۔ یہ بات تمام صحابہ سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی نے سمجھی، اور یہ بات انھوں نے محض نظم قرآن سے سمجھی، جیسا کہ بیان کیا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی بہ صراحت اس کا ذکر کیا ہے۔ مرقس کی روایت میں اخلاص فی التوحید اور احسان الی الخلق کی وصیت کے بعد فرمایا، ''ان دونوں سے بڑی کوئی اور وصیت نہیں ہے''۔ اور متی کی روایت میں ہے۔ ''تم پروردگار سے جو تمہارا معبود ہے محبت کرو اپنے پورے دل سے اور اپنی پوری جان سے اور اپنے پورے دماغ سے، یہی سب سے پہلی اور سب سے بڑی وصیت ہے، اور دوسری بھی اسی جیسی ہے، تم اپنے ساتھی سے محبت کرو جس طرح کہ خود سے کرتے ہو۔ انہی دونوں وصیتوں سے متعلق ہے تمام وحی اور انبیاء یعنی فرائض اور سنن۔ پس یہ بالکل وہی بات ہے جو قرآن نے نص اور نظم سے بتائی ہے۔

حاصل کلام جب تم آیات قرآنی اور ان کے مطالب کے نظم میں غور کروگے، سورتوں اور ان کے عمود پر نظر کروگے، تو شریعت کے اصول اور احکام کے نظم تک پہنچوگے--------

مثلاً جب تم شکر پر غور کروگے تو تم کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ رب رحیم پر ایمان کی بنیاد ہے اور اسی طرح جب تم صبر پر غور کروگے تو اس نتیجے تک پہنچوگے کہ وہ آخرت کے دن پر ایمان کی اساس ہے۔ اور یہ دونوں

ایمان کے دو رکن ھیں۔ رھا تیسرا رکن اور وہ ایمان بالرسالت ھے تو اس کا ایک پہلو ھادی اور رازق پروردگار پر ایمان کے تحت داخل ھے اور ایک پہلو عادل اور حکیم پروردگار پر ایمان کے تحت داخل ھے۔

جب تم یہ جان لو گے تو تم کو یہ بھی معلوم ھوجائے گا کہ شکر اور صبر جملہ احکام شریعت اور اخلاق حسنہ کو محیط ھیں۔ اور تم دیکھوگے کہ پورا دین ''دو پہلو'' ھے۔ اس کا ایک پہلو شکر سے متعلق ھے اور ایک پہلو صبر سے اور کچھ باتیں درمیانی ھیں جو دونوں سے اپنا حصہ لیتی ھیں۔ چنانچہ نماز، زکوۃ، خضوع، والدین کے ساتھ نیکی، اطاعت، قرابت دار کی مدد اور عمومی احسان ان سب کا تعلق شکر سے ھے۔ اور روزہ، جہاد، پاکدامنی، بردباری، فضول باتوں سے اجتناب، توکل، خشیت اور تقوی کا تعلق صبر سے ھے۔ گویا کہ شکر اور صبر اپنے اپنے لشکر کے قائد ھیں۔

پھر تم دیکھوگے کہ ھر واقعہ یا تو تم کو شکر کی طرف دعوت دیتا ھے یا صبر کی طرف۔ اللہ تعالی کا ارشاد ھے (ان فی ذالک لآیات لکل صبار شکور۔ بے شک اس میں ھر اس شخص کے لئے نشانیاں ھیں جو صبر کرنے والا شکر کرنے والا ھے) سورۂ ابراھیم آیت ٥

معلوم ھونا چاھئے کہ شکر کو اوامر سے اور صبر کو نواھی سے نسبت ھے۔ صبر کو شکر پر اس لئے مقدم رکھا کہ تقوی دل کے لئے جلا بخشنے والا ھے۔ غیر متقی ظالم احساس شکر سے محروم ھوتا ھے۔ شکر کے بعض پہلو ایسے ھیں جو صبر پر مقدم ھیں۔ اس لئے کہ شکر اطاعت کی طرف رھنمائی کرتا ھے اور صبر اس کو مستحکم کرتا ھے۔

تم کو معلوم ھوکہ شکر ماضی اور حال سے متعلق ھوتا ھے جب کہ صبر

حال اور مستقبل سے۔

اور تم کو یہ بھی معلوم ہو کہ شکر نعمت، نرمی اور آسانی کا ہم جنس ہے اور صبر مصیبت، سختی اور دشواری کا قرابت دار۔ تو یہ ان دونوں کے درمیان تقابل کی جہات ہیں۔ اس کے بعد جو باتیں صرف صبر سے تعلق رکھتی ہیں اور جو باتیں ان دونوں کو محیط ہیں ان پر غور کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ سو میں کہتا ہوں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے :-

تم کو معلوم ہو کہ ایک صبر تو وہ ہوتا ہے جو کسی ٹل جانے والی مصیبت پر لیا جاتا ہے تو ایسی مصیبت میں صبر پہلے صدمے پر ہوتا ہے۔

ایک صبر وہ ہوتا ہے جو نفس کو تقوی پر قائم رکھنے میں کرنا پڑتا ہے تو ایسا صبر وقتی نہیں دائمی ہوتا ہے۔

ایک صبر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالی کے وعدے کے انتظار میں کرنا ہوتا ہے۔

پھر ایک صبر وہ ہوتا ہے جو خواہشات نفس سے باز رکھتا ہے۔

ایک صبر وہ ہوتا ہے جو عقل کو جلد بازی سے روکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، وہ صبر نہ کرسکے۔

ایک صبر وہ ہوتا ہے جس کی ممارست مصلح کو کرنی پڑتی ہے۔

چنانچہ وہ منکرین سے منہ نہیں پھیرتا اور ان کی ایذا رسانیوں سے درگزر کرتا ہے۔ اور اکثر وہ اس میں افراط سے کام لیتا ہے جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا۔ پس اللہ تعالی نے آپ کو

اس سے منع فرمایا ۔۔۔۔ تو آپ نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا ۔ بلکہ تکلیف انتہائی اور سخت سے سخت غم و اندوہ برداشت کئے ۔ چنانچہ آپ نے سخت قسم کا صبر کیا ۔ اور رہے حضرت موسی علیہ السلام تو انھوں نے اپنی امت کی ایذا رسانی پر زیادہ صبر سے کام لیا ۔ اسی لئے اللہ تعالی نے ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس معاملے میں ان کی اتباع کا حکم دیا ۔۔۔ (بیاض) ۲

۱۳۔ علم نظام کی ضرورت

(۱) تم کو معلوم ہو کہ باتوں میں (جیسا کہ گزر چکا ہے) ربط اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی ایسی بات پر نظر رکھی جائے جو عام اور ہمہ گیر ہو ۔ اور جس بات میں عموم ہو وہ بلند اور جامع ہوتی ہے ۔ تو معلوم ہوا کہ نظم عظیم اور رفیع باتوں اور ان کی حکمتوں کی طرف رہبری کرتا ہے ۔ اور یہی عظیم باتیں حقائق اور مقاصد ہوتی ہیں ۔ تو جو شخص نظم کو نہیں جانے گا وہ حقائق اور مقاصد اور حکمتوں سے بھی بے خبر رہے گا ۔ اس طرح عقیدہ اور عمل دونوں میں اس کا حصہ کم ہوگا ۔

رہے عقائد تو صحیح عقائد سے بے خبری اکثر انسان کو اللہ تعالی کی نسبت سوء ظن میں مبتلا کر دیتی ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ صحیح تعلق کا رخ موڑ دیتی ہے ۔ اور رہے اعمال تو ان کی استواری کا تعلق نیتوں سے ہے ۔ اور تمام اعمال عقائد سے پھوٹتے ہیں ۔ ان کی حکمت اور غایت سے لاعلمی بسا اوقات انسان پر کما حقہ ان کی ادائیگی کا دروازہ بند کر دیتی ہے، جیسے نماز میں ذکر کا فقدان اور زکوۃ میں تقوی کی عدم موجودگی، اور بسا اوقات اس کو بالکل ہی صحیح راستے سے پھیر دیتی ہے اور ظاہری عمل کو دہرانے کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا، جیسا کہ بہت سے لوگ اعمال حج میں کرتے

هیں ۔ اللہ تعالی معاف کرنے والا اور صاحب حلم ہے جس طرح کہ وہ قدرشناس اور صاحب علم ہے ۔ اور کیا جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں ؟

(۲) چونکہ اکثر حکمت اور عظمت کی باتیں اشارات نظم کے اندر پوشیدہ ہیں تو جو شخص نظم میں غور و فکر کو ترک کرے گا وہ قرآن کے معنی میں سے بڑا حصہ چھوڑ بیٹھےگا ۔ قرآن حکمت اور نور ہے اور اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے ۔ ''الا انی اوتیت القرآن و مثله معه بل اکثر'' آگاہ مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اسی جیسی ایک اور چیز بلکہ اس سے زیادہ ۔ (یہ یا اس سے ملتی جلتی کوئی بات) اور وہ اس کا فہم ہے اور وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ۔ اور اسی میں سے نظم کا فہم ہے کیونکہ اس کے بعد معانی میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔

(۳) اللہ تعالی نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمتوں کی تعلیم کے لئے مبعوث فرمایا جس طرح کہ انھیں احکام کی تعلیم کے لئے مبعوث فرمایا ۔ اور اللہ تعالی نے تزکیہ کو حکمت کے ساتھ جوڑ دیا اور اسے ''خیر کثیر'' کا نام دیا ۔ پس جو شخص اس سے غفلت کرے گا وہ اس بعثت کے مقصد اور اللہ کے دین کی تکمیل اور اس کے نبی کی تعلیم سے دور کھڑا ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہ اتباع نہیں کر سکے گا ۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص مطلوب کی غایت کو پا لے ۔ لیکن ہمارے لئے کوشش کرنا ضروری ہے ۔ اور اللہ تعالے بندے کو اپنا فضل عطا کرتا ہے جس قدر کہ بندہ کوشش اور اہتمام کرتا ہے ۔

(۴) ہم قرآن مجید کی تاویل میں شدید اختلافات کا شکار ہوئے۔ اس کے بعد ہمارے عقائد اور ہمارے قلوب اور ہماری محبت میں بھی فرق آگیا۔ اور نظم معاملات کو وحدت کی طرف لوٹاتا ہے اور اختلاف معانی کی نفی کرتا ہے۔ اور انسانیت کے اعلی مدارج تک پہنچنے کے لئے اتفاق اور اتحاد سب سے بڑا مقصود و مطلوب ہے۔

(۵) قرآن مجید ان نشانیوں میں سب سے افضل ہے جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شاھد ھیں، ان میں سب سے زیادہ باقی رھنے والا، سب سے زیادہ واضح اور سب سے زیادہ ھدایت بخش بھی ہے۔ اور یہ ہم بالبداھت جانتے ھیں کہ کلام بلیغ کی جو سب سے بڑی خوبیاں ھیں ان میں سے ایک حسن ترتیب بھی ہے۔ ہم قرآن مجید کے اعجاز پر یقین رکھتے ھیں تو کیا ہم اس کو پسند کریں گے کہ وہ حسن ترتیب سے عاری ہو اور ہم کس طرح اس کے معانی میں ربط، بعض معنی کے ساتھ بعض کے تعلق اور ان کی ترتیب میں گٹھاؤ کو سمجھنے پر توجہ صرف نہ کریں گے۔ غور کرو تم کسی دانا سنجیدہ شخص کے کلام کو ترتیب سے خالی ماننے کے لئے تیار نہ ہوگے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک قادر الکلام خطیب جو اپنے خطبے میں بلاغت کے گونا گوں پہلو لاتا اور اپنے بیان کی عمدگی سے دلوں میں اثر پیدا کر دیتا ہے، تمہارے نزدیک اس کی قدر محض اس لئے کم ہوجاتی ہے کہ اس نے ربط کلام کا خیال نہیں رکھا اور ایک وادی سے دوسری وادی میں بھٹکتا رہا۔ اور خطیب تو ایک لحاظ سے معذور ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اسے بکثرت تقریر کرنی ہوتی ہے اور اس میں اسے غور و فکر کا موقع نہیں ملتا۔ یہ صرف اس لئے کہ کلام بلیغ سوء ترتیب کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

جب بات یوں ہو تو کیا اعجاز قرآن میں یقین رکھنے والے پر یہ واجب نہیں کہ وہ اس کے حسن نظام اور خوبی ترتیب کو ثابت کرے ؟ امام رازی رحمہ اللہ تعالی نے سورہ انعام کی تفسیر میں آیت (و اذا جاءك الذين يؤمنون بآياتنا۔ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں وہ لوگ جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں) ۔ کے ذیل میں اس کے سبب نزول میں روایات کے اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں ''اور یہاں میرے لئے ایک مشکل ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ یکبارگی نازل ہوئی ۔ جب بات یوں ہے تو پھر سورہ کی آیات میں سے ہر ایک آیت کے بارے میں یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس کا سبب نزول بعینہ فلاں بات ہے،، ۔ امام رازی رحمہ اللہ نے سورہ حم سجدہ کی تفسیر میں آیت (ولو جعلناه قرآنا اعجميا الآيه ۔ اور اگر ہم نے اسے عجمی قرآن بنایا ہوتا) کے تحت اس سے بھی زیادہ صریح اور سخت بات کہی ہے ۔(۳)

(٦) چونکہ قرآن کریم میں طعن کرنے والوں نے اس بات کا سہارا لیا ہے کہ وہ ترتیب کے اعتبار سے اچھا کلام نہیں ۔۔۔ (بیاض)

حواشی

۱ ۔ افادات فراہی

بخاری شریف میں ہے : ''وما اعطى احد عطاء خيرا و اوسع من الصبر،، صبر سے بڑھ کر بے بیکراں اور صبر سے زیادہ اچھا کوئی عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا ۔ میں کہتا ہوں رہا شکر تو وہ بھی صبر کے بغیر نہیں ہوتا ۔ پھر شکر اس کی طرف سے ہوتا ہے جس پر احسان کیا گیا ہو اور صبر اس کی طرف سے جو مصیبت میں گرفتار ہو ۔ اور جس نے صبر نہ کیا وہ شکر کس طرح بجا لائے گا ۔ رہا تقوی تو ایک لحاظ سے اس کا مدار صبر پر ہے اور ایک لحاظ سے ان دونوں

میں نسبت تلازم ہے۔ اللہ تعالی کو رحمت اور انعام کی صفت کے ساتھ جاننا سب سے پہلی معرفت ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے جو جذبہ بیدار ہوتا ہے وہ شکر ہے۔ اور شکر کے ساتھ ہی اللہ تعالے کی محبت اور اس کی طرف یکسوئی سے توجہ جنم لیتی ہے۔ اور وہیں سے مصیبت میں صبر کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ شکر اور صبر فطرت میں دونوں ساتھ ساتھ تھے لیکن شکر کا ظہور پہلے ہوا اور صبر کا ظہور اس کے بعد ہوا۔

۲ - افادات فراہی

غالباً قوم عرب کے انتخاب میں اصل نکتہ یہی خاص صبر ہے - صبر تمام فضائل کو جامع ہے۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب سے اچھی وراثت ہے۔ اور عرب کی سرزمین اس وصف کی تربیت کے لئے سب سے زیادہ ساز گار ہے یہاں تک کہ تم اس کے حیوانوں اور درختوں کو دیکھو گے کہ تمام روئے زمین پر ان سے زیادہ صبردار اور قوت برداشت کا مالک کوئی دوسرا جانور یا درخت نہیں ہے۔

اور چونکہ اسلام کی بنیادی صبر پر تھی اسلام عربوں کی فطرت کے بہت موافق ثابت ہوا اور چونکہ سرزمین عرب باشندگان عرب کی طبائع کے لئے سازگار تھی وہ جب وہاں سے نکلے ان کے مزاج میں تیزی سے بگاڑ آیا۔ چنانچہ عیش و تنعم ان کے لئے ہلاکت کا پیغام بنا۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جس کا مفہوم یوں ہے کہ : آپ کو ان کی نسبت مال و دولت کی زیادتی سے ڈر ہے -

۳ - افادات فراہی

منکر نظم کے لئے تین اقوال میں سے ایک کے بغیر چارہ نہیں ۔
وہ یا تو یہ کہے کہ سورہ فقط آیات ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس حال میں لوگوں کے پاس سے ملیں کسی ترتیب کا لحاظ کئے بغیر جمع کردی گئیں۔ اور یا یہ کہے کہ اس کا نظم بگڑ گیا۔ اس لئے کہ مربوط کلام کے بیچ میں جو آیات داخل کی گئیں انھوں نے نظم کو منقطع کر دیا۔ یہ دونوں ہی اقوال ایسے ہیں کہ ان کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ اور ان کی بنیاد کھلے ہوئے جہل پر قائم ہے۔ اس کو قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی خبر ہے نہ یہ معلوم ہے کہ نزول اول کے بعد اصل آیات کے درمیان کہاں کہاں دوسری آیات شامل کی گئیں۔

رہا پہلا قول تو اس لئے غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورہ کی تلاوت کی جاتی تھی۔ اور اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل کی تلاوت کے مطابق تلاوت کا حکم دیا تھا جیسا کہ خود قرآن میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پوری سورہ سکھاتے تھے اور ان سے سنتے تھے۔ تو مصاحف میں جمع کیا گیا یہ قرآن اسی ترتیب پر ہے جو جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے اور اپنی آخری تلاوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ترتیب سے پڑھ کر سنایا۔ اگر وہ بات درست ہوتی جو بزعم خویش سمجھی گئی تو اللہ تعالے نے اپنے نبی کو قرأت جبریل کی اتباع کا حکم کیوں دیا ہوتا۔ اور آیات کو ان کی خاص خاص جگہوں پر رکھنے کا حکم کیوں دیتے رہتے۔

رہا دوسرا قول تو بیچ میں داخل کی گئی آیت سے نظم متاثر نہیں ہوتا جب وہ ایسی جگہ پر رکھی جائے جو اس کے لئے مناسب ہو۔ اور بیچ میں داخل کی گئی تمام آیات کا ربط اپنے ما قبل یا مابعد کے ساتھ معلوم ہے۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے (کتاب احکمت آیاته ثم فصلت

من لدن حکیم خبیر۔ (۳) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئیں پھر ان کی تفصیل کی گئی ایک حکیم و خبیر کے پاس سے) اور یا وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالےٰ کا یہ مقصود ہی نہیں تھا کہ وہ کوئی منظم کلام نازل فرمائے جس طرح کہ اس کا یہ مقصود نہیں تھا کہ اس کو شعر یا سجع یا اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز بنائے جس میں کہ متکلم صنائع بدائع یا تصنع اور تکلف کو کام میں لاتا ہے۔ وہ محض ایک ایسا کلام ہے جس سے ہدایت اور حکمت مطلوب تھی۔ اس لئے اقتضائے حال کے مطابق دلائل اور احکام میں سے جس جس چیز کی جب جب ضرورت ہوئی نازل فرمایا۔ اور اکثر مختلف وجوہ کے تقاضے یکجا ہو گئے تو ان مختلف وجوہ کی رعایت سے ایسی سورہ نازل فرمائی جو ایسے مختلف مطالب کو سمیٹے ہوئے تھی جن کی اس کے زمانہ نزول میں ضرورت تھی۔ اور احوال اور واقعات اور ان کے تقاضے ایک ہی زمانے میں مختلف اسباب و علل کو جمع کر دیتے ہیں۔ تو سورہ ایسے جملوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے تمام جملے الگ الگ خوبصورتی اور نظم میں بے مثال ہوتے ہیں لیکن جہاں تک جملوں کے مجموعے کا تعلق ہے تو اس میں کسی نظم کی تلاش بے معنی ہے۔ اور اس بات کو بعض بڑے علماء نے بھی بیان کیا ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ اگر اس میں نظم کی رعایت نہ ہوتی تو ہم طویل کلام کو کسی جامع اسلوب پر یا کسی ایسے لفظ پر مبنی نہ پاتے جو کسی سابق اور اس سے بہت دور واقع لفظ کی طرف لوٹتا ہو۔ مثلاً سورۂ بقرہ کے شروع میں پہلے ”ھدی للمتقین،، آیا پھر بات آگے چلی یہاں تک کہ دوبارہ اہل تقویٰ کا ذکر آ گیا جس میں اللہ کا یہ قول مذکور ہوا ”اولئك الذین صدقوا و اولئك هم المتقون،، وہی لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور وہی ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا یہ قول ما سبق سے ہم آہنگ ہے۔ ان دونوں آیتوں کے درمیان اور اس کے بعد کی آیات میں جو نظم ہے اس میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ایسا محض اتفاقاً نہیں ہے۔ اس کی بہت سی دوسری مثالیں بھی ہیں جو اوپر بیان کی گئی مثال سے زیادہ واضح ہیں۔

۳۔ سورۂ ہود آیت ۱۔ اصل کتاب میں ”خبیر،، کی جگہ ”علیم،، چھپا ہوا تھا (مترجم)۔

—o—